پاکستان میں تاریخ نویسی

ڈاکٹر عاشق محمد خان درانی

ڈین، فیکلٹی آف سوشل سائنسز، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

برصغیر پاکستان و ہند کے مسلمانوں میں تاریخ نویسی ہمیشہ سے ایک اہم مقام کی حامل رہی ہے۔ اس دور میں[1] علمائے دین و مشائخ اسلام نے جہاں دینی خدمات سرانجام دیں اور اسلام کی اشاعت کے لیے سرگرداں رہے وہاں انہوں نے اسلام کے سنہری دور کا تذکرہ بھی قلم بند کیا۔ اس سلسلے میں[2] مسلم حکمرانوں نے ان بزرگان دین اور مشائخ اسلام کی ہر طرح سے سرپرستی کی۔ ان کی سرپرستی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور حکومت میں علم کی تحقیق کا شوق روز بروز بڑھنے لگا چنانچہ مسلم محقق مسلمان حکام کی سرپرستی کی وجہ سے قرآن و حدیث اور فقہ کے ساتھ ساتھ تاریخ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے اور آہستہ آہستہ ایک وقت ایسا آیا کہ مسلم مؤرخین نے تاریخی واقعات کو دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ قلم بند کر کے اپنی آنے والی نسلوں کے لیے ہمیشہ رہنے والا ایک قیمتی سرمایہ چھوڑا۔ ان مورخین میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے[3]۔ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے گذشتہ واقعات کو نہایت عمدہ اور احسن طریقہ سے بیان کیا اور ایسے حضرات[4] بھی تھے جنہوں نے اپنے سفرناموں کی صورت میں گذشتہ حالات قلمبند کیے اور یقیناً ان لوگوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے اپنے عہد کے حکام کی خوشنودی کی خاطر ارباب اختیار کے حسب منشا اپنے زمانے کی گواہی دی۔ ان کے ساتھ ساتھ حکام کے فرامین احکامات اور خطوط کی صورت میں ملنے والے مواد کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو کہ اس زمانے کے حالات، واقعات، تہذیب و تمدن اور ثقافت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ بعض حکمرانوں[5] نے بھی تاریخی واقعات قلمبند کیے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے مسلمان حکمران بھی ملتے ہیں جنہوں نے اپنے حالات زندگی مفصل قلمبند کر کے تاریخ کی گرانقدر خدمت سرانجام دی[6]۔ مسلم حکمرانوں کی یادگار عمارتیں اور دینی مدرسے بھی گذشتہ واقعات پر روشنی ڈالنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں[7]۔

اسلامی دور حکومت میں تاریخ دانوں اور محققین کی کبھی کمی نہیں رہی۔ اگر کمی رہی ہے تو صرف اس بات کی کہ ان کے چھوڑے ہوئے اثاثہ کو آنے والی نسلوں نے محفوظ نہیں کیا یا بالفاظ دیگر مسلمان ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے جب بے خبری میں منزل کی طرف قدم بڑھانے لگے تو ماضی کی ناقدری کرتے ہوئے ایک طرف حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے تو دوسری طرف ہر قسم کے ملفوظات اور اپنے بزرگوں کے اثاثہ سے بھی محروم ہو گئے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ اسلامی تاریخ سے متعلقہ مواد بیرونی حملہ آوروں کی چیرہ دستی کی نذر ہو گیا اور خود مقامی طور پر سیاسی اتار چڑھاؤ اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش گذشتہ واقعات سے متعلق ہر قسم کے مواد کی تباہی میں معاون ثابت ہوئے۔ ان حالات میں آج جب تاریخ کا ایک طالب علم تحقیق کی غرض سے کسی موضوع پر سرگردانی کرتا ہے تو اسے بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مشکلات میں سب سے پہلے لائبریریوں کی کمی ہے اور جہاں کہیں لائبریریاں موجود ہیں تو وہاں تربیت یافتہ سٹاف موجود نہیں۔ مزید یہ کہ ان لائبریریوں میں اول تو مواد سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور اگر کہیں مواد موجود ہے تو پھر اس کے حصول میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ اس تک دسترس ایک محقق کے لیے ناممکن ہی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس سلسلے میں گذشتہ کئی سالوں سے کسی نے بھی اصلاحی اقدامات کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ایک طرف سرکاری لائبریریاں ہیں تو دوسری طرف ذاتی یا پبلک لائبریریاں بھی ہیں۔ سرکاری لائبریریوں کی حالت انتہائی ابتر ہے کیونکہ ان میں سرے سے وقیع مواد موجود ہی نہیں اور اگر کبھی کسی لائبریری میں مخطوطات موجود بھی تھے تو وہ چوری ہو گئے۔ دوسری طرف ذاتی لائبریریاں یقیناً قیمتی مخطوطات سے بھری پڑی ہیں مگر ان تک تاریخ کے ایک طالب علم کی رسائی ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لائبریریوں کے مالک حضرات دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو اپنی لائبریریوں کے اندر موجود مخطوطات کی اہمیت سے واقف ہیں مگر بخل سے کام لیتے ہیں اور کسی کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے پاتی۔ دوسرے وہ

حضرات ہیں جو اپنی لائبریریوں کے ان قیمتی ذخائر جو انہیں وراثت میں ملے ہیں، کی اہمیت سے تو لاعلم ہیں البتہ وہ اپنے بزرگوں کے اس مواد کو چھپاکر رکھتے ہیں۔ اس طرح بے شمار قیمتی کتب، مخطوطات، فرامین اور نوادرات پڑے پڑے دیمک کا شکار ہو رہے ہیں اور یہ تاریخی مآخذ نایاب ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ان تک محققین کی رسائی ممکن نہیں۔

میں تاریخ نویسی کے ضمن میں پیش آنے والی مشکلات، مواد کے حصول میں دشواری، تاریخی مآخذ کی نایابی اور برصغیر پاکستان و ہند میں اسلامی دور حکومت سے متعلقہ ملفوظات کی مائیکروفلموں کے حصول کے سلسلے میں کچھ ایسی ذاتی یا نجی لائبریریوں کی نشان دہی کروں گا کہ جہاں نایاب قسم کے مخطوطات اور تاریخی مآخذ موجود ہیں مگر وہاں صرف اور صرف حکومت کی وساطت سے ہی رسائی ممکن ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے عظیم تاریخی شہر ملتان سے اس سلسلے کی آغاز کرتا ہوں ملتان میں سید محمد رمضان شاہ گردیزی کی لائبریری میں مغل بادشاہوں کے نہایت قیمتی فرامین موجود ہیں ایک مغل بادشاہ کا نہایت قیمتی فرمان سید یوسف رضا گیلانی پسر سید علمدار حسین شاہ گیلانی مرحوم کے پاس بھی موجود ہے جس کو میں نے خود دیکھا اور پڑھا ہے اور اگر اس سلسلے میں کوشش کی جائے تو ان کی نقول حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح سید عباس شاہ گردیزی، خوئیداد خان ترین مرحوم اور مولانا نور احمد خان فریدی کے کتب خانے قلمی نسخوں اور نوادرات سے بھرے پڑے ہیں۔ ایک فارسی قلمی کتاب سردار محمد عظیم خان کے پاس بھی ہے جو نایاب قلمی نسخہ ہے۔ مگر اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی طرح سابقہ ریاست بہاولپور کے حکمران خاندان کا توشہ خانہ بمقام ڈیرہ نواب صاحب بھی قیمتی مخطوطات اور نوادرات سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح نواب صاحب کے برادر نسبتی جناب نور الزمان اوج صاحب کا ذاتی کتب خانہ بھی قابل دید ہے کیونکہ یہ بھی قیمتی قلمی نسخوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ کتب خانہ سیٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور میں واقع ہے۔ جناب سیٹھ عبید الرحمن صاحب چیئرمین بہاولپور میونسپل کمیٹی کی ذاتی لائبریری بھی قابل ذکر ہے۔

اوچ شریف میں جو ناصر الدین قباچہ کا دار السلطنت رہا ہے جس کی علم دوستی ہمیشہ ایک مسلمہ حقیقت رہی ہے۔ وہاں پر حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے اچھو میاں کے ہاں فرامین کے ذخائر کی کمی نہیں اسی طرح سید مخدوم شمس الدین گیلانی کی لائبریری اور توشہ خانہ قابل دید ہے۔ میں نے ۱۹۷۸ء میں ان علاقوں کا دورہ کیا تھا جس کے دوران وہاں عربی اور فارسی کے ایسے ایسے قلمی نسخے دیکھے جو شاید اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تھے مگر ان کی دیکھ بھال کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا سوائے اس کے کہ ایک کمرہ ان کے لیے وقف تھا مگر تاریخ کے ہر طالب علم کو یہ کہہ کر ڈرا دیا جاتا ہے کہ چونکہ برسوں سے یہ کمرہ بند پڑا ہے اس لیے اب وہ سانپوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اسے کھول کر اندر داخل ہونا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس سے آگے صادق آباد میں جناب میرزاہد حسین کی لائبریری قابل دید ہے اور عمدہ کتب سے مزین ہے۔ یہاں سے بیس میل دور مخدوم الملک سید غلام (جناب سید حسن محمود صاحب کے والد بزرگوار) کے علاقہ جمال دین والی میں ان کا خاندانی کتب خانہ مطبوعہ نوادرات کے علاوہ قلمی مخطوطات اور فرامین سے بھرا پڑا ہے۔ یہ علم دوست حضرات نہایت خلوص اور احترام کے ساتھ مہمان کا استقبال کرتے ہیں اور ہمیشہ بضد رہتے ہیں کہ تحقیق کا ہر طالب علم ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ دن گزارے اور استفادہ کرے۔ سابقہ ریاست بہاولپور اور صوبہ سندھ کے سنگم پر علاقہ ادباڑو، میں میر حسان الحیدری کا کتب خانہ قابل دید ہے۔ اس کے بعد سندھ کے شہر سکھر سے چالیس میل دور گڑھی یاسین میں آغا صدر الدین خان درانی کے ذاتی کتب خانہ میں بھی بے شمار قیمتی تاریخی مآخذ اور قلمی نسخے و فرامین دستیاب ہیں۔ پاکستان میں تاریخ نویسی کے علم کو پروان چڑھانے کے لیے یونیورسٹیوں کے اساتذہ کرام اور علمی و تحقیقی اداروں کے ارکان دن رات سرگرداں ہیں تو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان کتب خانوں سے ہر قسم کے عربی، فارسی اور اردو قلمی تاریخی مآخذ و فرامین کی مائیکروفلمز تیار کروائی جائیں۔ مگر یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کتب خانوں کے مالکان کو اعتماد میں لیا جائے کیونکہ ان کا ایک گلہ و شکوہ ہمیشہ سے جائز رہا ہے کہ یہ محقق حضرات تحقیق کے بہانے ان کے کتب خانوں سے ان کی قیمتی دستاویزات چرا لے جاتے ہیں اور اس طرح آنے والی نسلوں کے لیے ان کے کتب خانوں تک رسائی کا سلسلہ منقطع کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قیمتی تاریخی مواد کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر سرکاری سطح پر دانشوروں پر مشتمل ایک بااختیار کمیٹی تشکیل دی جائے تاکہ وہ ان قومی خزانوں کی حفاظت کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو اور ساتھ ہی ان کو محققین تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہو۔

حوالہ جات

۱۔ حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر، حضرت شاہ باز قلندر

حضرت شاہ یوسف گردیز ملتانی، حضرت سید نظام الدین اولیاء، حضرت معین الدین اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت قطب الدین ہانسوی، سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (آپ کے دادا سید جلال الدین شاہ میر سرخ بخاری المتوفی ۱۲۲۱ء بانی اچ بخاریاں شریف تھے) سید محمد غوث گیلانی (اولاد حضرت شیخ عبد القادر گیلانی بغدادی) نے اچ شریف میں سکونت اختیار کر کے وہاں خانقاہ قادریہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت نواب موسیٰ پاک شہید ملتانی، حضرت شاہ شمس سبزواری۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، سید عبد القادر کی کتاب تاریخ پاکستان و ہند۔ جلد اوّل لاہور۔ ۱۹۵۸ء ص ص ۶۹۳ تا ۷۱۷۔

۲۔ سلطان محمود غزنوی نے عتبی جیسے مورخ اور بیہقی جیسے وقائع نگار کے علاوہ البیرونی جیسے باکمال مؤرخ، ریاضی دان، سنسکرت و ہندی علوم کے ماہر، نجوم اور علم ہیئت کے نکتہ دان اور فارابی جیسے فلسفی کے علاوہ شعراء میں عنصری، فرخی، عجدی، فردوسی قابل ذکر ہیں کی سرپرستی کی۔ تاریخ پاکستان و ہند۔ جلد اوّل ص ص ۲۸۵ تا ۳۰۰۔

۳۔ ایضاً۔ منہاج السراج جس نے طبقات ناصری قلم بند کی۔ تاریخ فرشتہ جو کہ قاسم فرشتہ نے لکھی۔ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں علی کوفی نے چچ نامہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ چچ نامہ۔ اردو ترجمہ اختر رضوی۔ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد۔ ۱۹۶۳ء۔ ص ص۔ ۳۶، ۳۷، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۵۱، ۶۰۔ متن فتح نامہ (چچ نامہ) ص ص۔ ۹ تا ۱۷۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی تصنیف کی۔ امیر خسرو، ابو الفضل۔ آئین اکبری (اکبر نامہ) عبد القادر بدایونی (خواجہ نظام الدین احمد (طبقات اکبری) نعمت اللہ (تاریخ خان جہان) معتمد خان، یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی (تاریخ مبارک شاہی)

(اقبال نامہ جہانگیری) عبد الحمید لاہوری (بادشاہ نامہ) محمد کاظم (عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری) حیدر مرزا (تاریخ رشیدی) گلبدن بیگم (ہمایوں نامہ)

۴۔ اگرچہ ابن بطوطہ کا تعلق برصغیر پاک و ہند سے نہیں تھا مگر اس کا سفر نامہ قابل ذکر ہے اور تاریخ کے طالب علم کے لیے کافی مواد مہیا کرتا ہے امیر خسرو کی طرح عصامی (پیدائش ۱۳۱۰ء) اپنے وقت کا بہت بڑا شاعر تھا۔ ۱۳۵۰ء میں اس نے بارہ ہزار شعروں پر مشتمل ایک مثنوی بعنوان "فتوح السلاطین" قلم بند کی۔ اس میں غزنوی خاندان سے لے کر محمد بن تغلق کے عہد تک کے واقعات نظم کیے ہیں۔ اس کتاب کی تالیف میں اس نے بہمنی خاندان کے کتب خانے سے مدد لی اور تاریخی واقعات کو احتیاط اور توجہ سے نظم کیا۔ تاریخ پاکستان و ہند۔ جلد اوّل۔ ص ص۔ ۶۷۸، ۶۷۹)

۵۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروز شاہی خود مرتب کی۔ اس میں سلطان نے اپنے کارنامے بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب اس دور کے سماجی اور سیاسی حالات پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ تاریخ پاکستان و ہند، ص۔ ۶۸۴۔

۶۔ اسی طرح مغل بادشاہوں ظہیر الدین بابر اور جہانگیر نے بھی اپنی خود نوشت سوانح عمریوں میں نہایت عمدہ تاریخی مواد مہیا کیا ہے۔ اس کے علاوہ مغل حکمرانوں نے مؤرخین کی بھی خوب سرپرستی کی۔ جنہوں نے تاریخ کے طالب علم کے لیے نہایت قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔

۷۔ مسجد قوۃ الاسلام (قطب الدین ایبک نے بنیاد رکھی) مسجد کا اصلی نام قبۃ الاسلام تھا۔ اسی طرح قطب مینار، اڑھائی دن کا جھونپڑا (اس مسجد کا طرز تعمیر بالکل دہلی کی مسجد قوۃ الاسلام کا سا ہے۔ اس کے علاوہ علاؤ الدین خلجی کے عہد کی عمارات۔ عہد تغلق کی عمارات، برصغیر پاک و ہند میں عہد سلاطین کی تمام عمارات اور خاص کر مغل دور کی عمارات قابل ذکر ہیں۔

۸۔ نادر شاہ افشار کے حملہ اور انگریزوں کے دور میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمان اپنے قیمتی تاریخی سرمایہ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔